اسلام: سلامتی کا دین

اسلام پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ایک طرف اس کے معنی امن وسلامتی ہیں مگر دوسری طرف وہ کہتا ہے کہ اگر ادیانِ باطل کے حامی خدا کی زمین پر باطل قوانین کو جاری کریں تو اس فتنے کو بزورِ شمشیر مٹایا جائے گا۔ یہ بظاہر تضاد ہے اور لا اکراہ فی الدین کے بھی خلاف ہے۔ یہ بات بھی کھٹکتی ہے کہ مخالفین کو اپنے مذہب اور عقیدے پر قائم رہنے کی آزادی تو ہو لیکن انھیں اس کی اشاعت اور تبلیغ کی آزادی نہ ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی ملازمت بھی اختیار کی تھی جس کا عقیدہ مشرکانہ تھا اور تبلیغ بھی کرتے رہے۔ اگر ایسا ہے تو مسلمان کہیں بھی مخلوط آبادی میں امن سے زندگی نہیں گزار سکتے۔ غیر مسلم ان سے کیوں رواداری برتیں اور تبلیغ کی اجازت دیں' جب کہ مسلمان ان کے خلاف علَم جہاد بلند کر رہے ہوں۔ ایسی جماعت کا وجود ہی غیر مسلموں کے لیے کھلا چیلنج ہوگا۔ اس کو کون برداشت کرے گا؟ مسلمانوں کو تو غیر مسلموں سے رواداری کا ثبوت دینا چاہیے اور جو حق اپنے لیے رکھتے ہیں وہی حق دوسروں کو بھی دینا چاہیے۔ یہ اعتراض ترجمان القرآن کے ایک قاری نے اٹھایا تو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس کا جواب دیا۔ یہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ (ادارہ)

یہ بحث تو بعد میں ہوتی رہے گی کہ اسلام امن اور سلامتی کا مؤید کس معنی میں ہے اور لا اکراہ فی الدین اور لکم دینکم ولی دین کا کیا مطلب ہے اور یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبوت کرنے آئے تھے یا تلاشِ روزگار میں نکلے تھے' ان سب باتوں سے پہلے اس سوال کا تصفیہ ہونا چاہیے کہ فی الواقع اسلام کا مشن اس دنیا میں ہے کیا؟

کیا وہ جباروں کی سواری کے لیے انسانوں کو سدھانے آیا ہے تاکہ ہر جبار جب دنیا میں خدائی کرنے اُٹھے تو اسلام کے پیروؤں کو اپنا اطاعت گزار خادم پائے؟ کیا اس نے دنیا کی حکومتوں اور سلطنتوں کے لیے پُرامن رعیّت فراہم کرنے کا اجارہ لیا ہے کہ ہر حکومت کو اپنی مشینری چلانے کے لیے اسلام کے کارخانے سے ہر قسم کے ڈھلے ڈھلائے پُرزے حاصل ہو جایا کریں' قطع نظر اس سے کہ حکومت کا نظام کچھ ہو؟ کیا اس کا کام بس یہی ہے کہ چند عقائد اور چند اصولِ اخلاق کی تعلیم دے کر آدمیوں میں اتنی لچک اور اتنی نرمی پیدا کر دے کہ

وہ ہر نظامِ تمدن میں بآسانی کھپ سکیں بلالحاظ اس کے کہ اس نظام کی نوعیت کیسی ہی ہو؟ اگر معاملہ حقیقت میں یہی ہے تو اسلام بودھ مذہب اور سینٹ پال کی بنائی ہوئی مسیحیت سے کچھ بہت زیادہ مختلف چیز نہیں ہے اور یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ ایسے مذہب کی کتاب میں قاتلوھم جیسا خوف ناک لفظ سرے سے آیا ہی کیوں۔ اسے تو اپنے پیروؤں کو جنگ اور جہاد کا حکم دینے کے بجائے اپنے مخالفین سے یہ کہنا چاہیے تھا کہ ہم غریبوں کو آخر کیوں مارتے ہو؟ ہم نہ نظامِ حکومت میں کوئی انقلاب کرنا چاہیں، نہ نظامِ تمدن میں کسی ترمیم و تنسیخ کی دعوت دیں، اقتدار کسی کا ہو اس کے ماتحت پُرامن باشندوں کی حیثیت سے رہنا ہمارا مسلک اور حکومتِ وقت کی وفاداری ہمارا دین و ایمان، پھر ہم سے تمھیں پرخاش کی کیا وجہ؟ رہا ہمارا مذہبی عقیدہ اور ہمارا پوجا پاٹ کا نظام تو اس سے تمھارا کیا بگڑتا ہے، تمھارا کون سا تمدنی ادارہ اور کون سا مفاد ایسا ہے جس پر ہمارے عقیدے یا ہماری پوجا کی ضرب پڑتی ہو۔ یہ جواب اگر اچھے معقول پیرایے میں دیا جاتا اور عملاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے پیرو وفادارانہ خدمات بھی انجام دیتے رہتے تو مشرکین مکہ ہمارے انگریز آقاؤں کے مقابلے میں کچھ ایسے زیادہ نامعقول نہ تھے کہ مسجدوں میں اذان و نماز کی آزادی اور تبلیغی انجمنوں کے قیام کی اجازت نہ دیتے۔

لیکن اگر حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ اسلام خود اپنا ایک نظامِ زندگی رکھتا ہے جس میں عقائد، اخلاق اور عبادات کے ساتھ انفرادی طرزِ عمل اور اجتماعی زندگی کے تمام معاملات سے متعلق احکام و قوانین بھی ہیں، اور اسلام کی دعوت اپنے اس پورے نظام کی طرف ہے، اور اس کا دعویٰ یہ ہے کہ یہی نظام حق ہے اور اسی میں انسان کی فلاح ہے اور اس کے سوا ہر دوسرا نظام باطل ہے، تو اس کے ساتھ یہ قطعی ناگزیر ہے کہ وہ زمین میں اپنے نظام کے قیام اور دوسرے نظامات کے مٹانے کا بھی متقاضی ہو، کیونکہ اول تو ایک نظامِ زندگی کو حق اور صدق ہونے کی حیثیت سے پیش کرنا اور پھر عملاً اس کی اقامت کی دعوت نہ دینا سراسر ایک مہمل بات ہے اور اس سے بھی زیادہ مہمل بات یہ ہے کہ دوسرے نظامات کو باطل بھی کہا جائے اور ان کے وجود کو برداشت بھی کیا جائے۔

دوسرے، یہ بات بداہتہً محال ہے کہ ایک نظامِ زندگی کی پیروی کسی دوسرے نظامِ زندگی کے ماتحت رہتے ہوئے کی جاسکے۔ اس لیے وہ صرف ایک فاتر العقل ہی ہوسکتا ہے جو ایک ہی وقت میں اپنے پیش کردہ نظام کی پیروی کا مطالبہ بھی کرے اور ساتھ ہی دوسرے نظامات کے اندر پُرامن وفادارانہ زندگی بسر کرنے کی تعلیم بھی دے۔ پس اسلام کا ایک نظامِ زندگی کی طرف دعوت دینا عین اپنی فطرت میں اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ دوسرے نظامات کو ہٹا کر ان کی جگہ اپنے نظام کی اقامت کا مطالبہ کرے، اور اس مقصد کے لیے اپنے پیروؤں کو جدوجہد کی ان تمام صورتوں کے اختیار کرنے کا حکم دے جن سے یہ مقصد حاصل ہوا کرتا ہے، اور مدعیانِ اتباع کے ایمان و عدمِ ایمان کا نشانِ امتیاز اسی کو قرار دے کہ آیا وہ اس جدوجہد میں جان و مال کی بازی

لگاتے ہیں یا باطل نظامات کے ماتحت جینے پر راضی رہتے ہیں۔ قرآن اور حدیث دونوں کو اُٹھا کر دیکھ لیجیے' آپ کو صاف نظر آ جائے گا--- بشرطیکہ دل میں کوئی چور نہ ہو--- کہ اسلام نے یہی دوسری پوزیشن اختیار کی ہے نہ کہ پہلی۔

جب حقیقت یہ ہے اور ہم اسلام کی اس حقیقت کو جان کر اس پر ایمان لائے ہیں تو یقیناً ہمارے وجود کو ہر غیر اسلامی حکومت کے لیے کھلا چیلنج ہونا چاہیے۔ کوئی اس کو برداشت کرے یا نہ کرے' غیر مسلموں کے ساتھ تعاون و تعامل ہو سکے یا نہ ہو سکے' بہرحال اگر ہم اپنے ایمان میں صادق ہیں تو ہمارا کام یہی ہے کہ جہاں بھی خدا کا قانونِ شرعی نافذ نہیں ہے وہاں اس کے نفاذ کے لیے علَمِ جہاد بلند کریں۔ ہمارا مسلمان ہونا اس شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے کہ جو لوگ خدا سے پھرے ہوئے ہیں وہ اسے برداشت بھی کریں' اور نہ غیر مسلموں کے ساتھ تعاون و تعامل ہمارے لیے اس قدر قیمتی ہے کہ جس نظامِ زندگی پر ہم ایمان لائے ہیں اس کے قیام کی جدوجہد صرف اس لیے چھوڑ دیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ تعاون و تعامل اس صورت میں نہ ہو سکے گا۔ اسلام بے شک امن اور سلامتی کا حامی اور مؤید ہے' مگر اس کی نگاہ میں امن اور سلامتی وہی ہے جو حدود اللہ کی اقامت سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کسی نے امن اور سلامتی کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ شیطانی نظامات کے زیرسایہ اطمینان کے ساتھ سارے کاروبار چلتے رہیں اور مسلمان کی نکسیر تک نہ پھوٹے' اس نے اسلام کا نقطۂ نظر بالکل نہیں سمجھا۔ اسے اچھی طرح معلوم ہو جانا چاہیے کہ اسلام ایسے امن اور ایسی سلامتی کا ہرگز حامی و مؤید نہیں ہے۔ اسے دوسروں کا قائم کردہ امن نہیں بلکہ اپنا قائم کردہ امن مطلوب ہے اور اسی میں انسان کی سلامتی دیکھتا ہے۔

رہا لااکراہ فی الدین' تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اسلام اپنے عقائد زبردستی کسی سے نہیں منواتا کیونکہ یہ منوانے کی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح وہ اپنی عبادات بھی' جن کا لازمی تعلق اس کے عقائد سے ہے' زبردستی کسی پر مسلط نہیں کرتا' کیونکہ ایمانِ صحیح کے بغیر وہ بے معنی ہو جاتی ہیں۔ ان دونوں امور میں وہ ہر ایک کو آزادی دینے کے لیے تیار ہے لیکن وہ اس کے لیے تیار نہیں ہے کہ قوانینِ تمدن جن پر اسٹیٹ کا نظام قائم ہوتا ہے' خدا کے سوا کسی اور کے بنائے ہوئے ہوں اور خدا کے باغی اُن کو نافذ کریں۔ اس معاملے میں بہرحال ایک فریق کو دوسرے فریق کے مذہب میں مداخلت کرنی ہی پڑے گی' تو بجائے اس کے کہ کافر اہل ایمان کے مذہب میں مداخلت کریں' زیادہ بہتر یہ ہے کہ اہل ایمان اُن کے مذہب میں مداخلت کریں۔ نہ کریں گے تو خدائی مذہب کا ایک بڑا حصہ معطل ہو جائے گا اور اہل ایمان کی زندگی کے ایک بڑے حصے پر کفار کا مذہب مسلط ہوگا۔

(اشارات' ترجمان القرآن' شعبان ۱۳۶۱ھ' ستمبر ۱۹۴۲ء' جلد ۲۱' عدد ۲' ص ۵-۸)